امام رضاؑ کا دورِ امامت

مؤلف: احمد ماہوان

مترجم: عباس اصغر شبریز

حضرت امام علی رضا علیہ السلام مدینے میں زندگی بسر فرماتے تھے۔ وہیں رہ کر آپ لوگوں کو علم اورعبادت واطاعت خدا کی طرف دعوت دیتے تھے اور آپؑ کے چاہنے والے آپؑ سے کسب فیض کرتے تھے۔

امام رضاؑ کے والد بزرگوار حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی شہادت کے بعد امامت اور ہدایت مسلمین کی ذمّہ داری آپؑ کے دوش پر آ گئی تھی۔ ایک بار پھر آپؑ کے بدخواہوں نے آپؑ کے خلاف ہارون کے کان بھرنا شروع کر دئے تھے اور ہارون کو اس کی وہ قسم جس میں اس نے کہا تھا کہ اگر امام موسیٰ کاظمؑ کے بعد کسی نے بھی ادعائے امامت کیا اس کو بھی قتل کر دونگا، یاد دلانے کی کوشش کرنے لگے تھے کہ اب ان کے فرزند، علی رضاؑ نے ادعائے امامت کر دیا ہے اور وہ بھی وہی سب کہہ رہے ہیں جو ان کے والد کہتے تھے۔ ہارون نے غضبناک لہجے میں کہا: ''ہم نے جو کچھ ان کے والد کے ساتھ کیا ہے کیا وہ کافی نہیں ہے؟ کیا میں ان سب کو قتل کردوں؟''

روایات میں نقل ہوا ہے کہ حضرت امام علی رضاؑ سے عرض کیا گیا: ''آپؑ نے امامت کا دعویٰ کیوں کر دیا ہے اور اپنے والد بزرگوار کی جگہ پر کیوں بیٹھ گئے ہیں جبکہ آپؑ جانتے ہیں کہ ہارون کی تلوار سے خون ٹپک رہا ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا: رسول اللہؐ نے ابوجہل کے بارے میں فرمایا تھا کہ اگر وہ میرے اوپر غالب آجائے تو گواہی دیدینا کہ میں پیغمبرؐ نہیں ہوں۔ میرا بھی یہی جواب ہے کہ اگر ہارون میرے اوپر غالب آجائے تو گواہی دیدینا کہ میں امام نہیں ہوں۔[۱]

صفوان بن یحییٰ کی سند سے روایت نقل ہوئی ہے جس میں وہ کہتے ہیں: ''امام موسیٰ کاظمؑ کی شہادت کے بعد جیسے ہی امام علی رضاؑ نے ادعائے امامت کیا تو ہم لوگ ان کے لئے پریشان ہوگئے۔ ہم لوگوں نے ان سے عرض کیا کہ جس چیز کا آپ نے دعویٰ کیا ہے اس نے ان ستمگاروں کی وجہ سے ہم سب کو پریشان کر دیا ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ وہ جتنی بھی کوشش کرنا چاہے کر لے لیکن مجھے

نہیں روک سکتا۔"[۲]

بہرحال امامؑ اسی طرح عقیدے کے ساتھ مدینے میں زندگی گزارتے رہے لیکن اپنی ذمّہ داریوں کی انجام دہی کیلئے وہ کبھی۔کبھی مکہ، عراق اور ایران کا سفر بھی فرماتے تھے۔

امام رضاؑ کی مدینے سے مرو کی سمت مہاجرت

ابوالفرج اصفہانی نے "مقاتل الطالبین" میں لکھا ہے:

"مامون نے اپنے وزیر فضل بن سہل اور اس کے بھائی حسن بن سہل کو اپنے نزدیک بلایا اور اس کے بعد ان سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ علی بن موسیٰ الرضاؑ کو خلافت یا ولی عہدی کیلئے انتخاب کرلوں۔فضل بن سہل نے کہا کہ اس طرح تو خلافت خاندان بنی عباس کے ہاتھوں سے نکل جائیگی۔مامون نے جواب میں کہا کہ میں نے خدا سے عہد کیا تھا کہ اگر میں امین پر فتحیاب ہوگیا تو خلافت کو فرزندان ابو طالب کی کسی بہترین فرد کے حوالے کردونگا اور میرے اعتبار سے علی بن موسیٰؑ سے افضل دوسرا کوئی نہیں ہے۔"[۳]

لیکن بعض تاریخی کتب میں نقل ہوا ہے کہ خلافت یا ولی عہدی کو امام علی رضاؑ کے حوالے کرنے کا خیال، مامون کے وزیر فضل بن سہل نے مامون کے ذہن میں منتقل کیا تھا۔[۴]

آخرکار مامون نے اپنے وزیر فضل بن سہل اور اسکے زیرک پیشکار سے مشورہ کرنے کے بعد رجاء بن ابی ضحاک کو کچھ شخصیات کے ساتھ ۱۹۵ ق / ۲۰۰ق میں مدینے بھیج دیا تاکہ یہ گروہ حضرتؑ کو لے کر خراسان آجائے۔رجاء جیسے ہی مدینے میں وارد ہوا اس نے حضرتؑ کو مامون کا پیغام سنا دیا۔ ابتدا میں حضرتؑ نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا تھا لیکن دھمکی کے ساتھ پے در پے اصرار کی وجہ سے بطور اکراہ قبول کرلیا۔

حضرت علی رضاؑ نے قصد سفر کیا تو اولاً قبر پیغمبرؐ سے وداع ہوئے۔اس کے بعد اپنے افراد خانوادہ کو جمع کیا اور فرمایا کہ میں اس سفر سے واپس نہیں آؤنگا۔میں تم سب کو خداوند عالم کے سپرد کر رہا ہوں۔

محول سیستانی (سجستانی) نے روایت کی ہے کہ حضرتؑ جب مدینے سے خارج ہونا چاہتے تھے

تو پہلے مسجد النّبی میں تشریف لائے۔ پھر قبر نبیؐ پر آکر گریہ وزاری کی حالت میں اپنے اہل خانوادہ اور جد بزرگوار سے الوداع کہا۔اسی بیچ میں حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سفر سے متعلق آپؑ کو تبریک وتہنیت پیش کی۔حضرتؑ نے فرمایا کہ کیا مبارکباد دے رہے ہو؟ یہ لوگ تو مجھے میرے جد بزرگوار سے جدا کررہے ہیں۔میں غربت میں شہید کردیا جاؤنگا۔

امام رضاؑ نے سفر کا آغاز تو فرمایا لیکن اپنے ساتھ اپنے کسی بھی اہل خانوادہ کو نہیں لے گئے۔ یہاں تک کہ اپنے فرزند عزیز حضرت محمد تقی علیہ السلام کو بھی مدینے میں چھوڑ گئے جو ابھی صرف سات برس کے ہی تھے، اور اکیلے ہی یہ سفر شروع کیا۔

شاہی عماریوں اور محملوں کا مخصوص قافلہ آمادۂ سفر ہو گیا۔ایک قول کے مطابق مامون نے حضرتؑ کیلئے اپنی مخصوص چاندی کی محمل بھیجی تھی۔ والی مدینہ اور معززین شہر نے حضرت امام علی رضاؑ کو الوداع کہا۔ابتدا میں حضرتؑ مدینے سے مکے تشریف لے گئے اور وہاں مراسم حج کی انجام دہی کے بعد ۲۰۱ھ کے اوائل میں خراسان کیلئے سرزمین حجاز کو خدا حافظ کہہ دیا۔[۵]

تاریخی منابع و مدارک میں مامون کے اس اقدام سے متعلق کہ خلافت آل علیؑ میں منتقل کردی جائے، کافی زیادہ تجزیہ وتحلیل اور استنتاج کیا گیا ہے کہ آیا یہ تجویز مامون کے وزیر فضل بن سہل نے اس کو پیش کی تھی یا یہ خود مامون کا اپنا خیال تھا۔بیہقی نے اس سلسلے میں لکھا ہے:فضل نے مامون سے کہا کہ اب آپ کو قرب خداوندعالم کیلئے کوشش کرنا چاہئے اور اسکا راستہ یہ ہے کہ علی بن موسیٰؑ کی بیعت کرکے ان کے ساتھ صلۂ رحم کیجئے تاکہ خداوند عالم آپ کے اس فعل کے ذریعے آپ کے نامۂ اعمال سے ان اثرات کو محو کردے جو اس خاندان کے ساتھ آپ کے والد ماجد ہارون رشید کے رویے کی وجہ سے پڑ گئے ہیں۔اور مامون اس نظر کی مخالفت نہیں کرسکا تھا۔

فضل سے مربوطہ اس روایت سے آگاہ ہوجانے کے بعد اب ہم اس روایت کو نقل کررہے ہیں جس کو ریان ابن الصلت نے نقل کیا ہے: ’’ذمّہ داران فوج اور عوام کا ایک بہت بڑا طبقہ کہہ رہا تھا کہ یہ تدبیر فضل کی ہے۔خبر مامون تک پہونچی اور اس نے نیمۂ شب میں مجھے حاضر ہونے کا حکم دیا۔ میں مامون کی خدمت میں حاضر ہوا۔مامون نے مجھ سے کہا کہ اے ریان! کیا کوئی اتنی جسارت کرسکتا ہے کہ اس خلیفۂ وقت سے جس کا فرمان تمام ارکان مملکت پر چلتا ہے، کہے کہ خلافت کو چھوڑ دو اور کسی دوسرے کو دیدو؟ کیا عقل اس بات کو تسلیم کرتی ہے؟میں نے کہا کہ خدا کی قسم! نہیں اے

امیر المومنین! اتنی جسارت و طاقت تو کسی میں نہیں ہے۔اس کے بعد مامون نے کہا کہ بخدا ایسا نہیں ہے جیسا لوگ کہہ رہے ہیں لیکن میں تمہیں اصل علّت سے آگاہ کر رہا ہوں: جس وقت میرے بھائی امین نے مجھے اپنے پاس آنے کا حکم دیا تو، میں نے اس کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا۔اس نے فوراً علی بن عیسی بن ماہان کو فرمان جاری کیا کہ خراسان آکر مجھے گرفتار کر لے اور مجھے طوق وزنجیر میں جکڑ کر امین کی خدمت میں لے جایا جائے۔جیسے ہی علی بن عیسی کے بغداد سے حرکت کرنے کی خبر مجھ تک پہونچی ،میں نے بھی والی سجستان (سیستان) و کرمان ،ہرثمہ بن اعین کو پیغام روانہ کر دیا کہ جس قدر جلد ہو سکے خود کو میرے پاس پہونچا دے۔دوسری جانب صاحب السریر نے علم خروج کو بلند کر دیا تھا اور خراسان کے اکثر شہروں پر قبضہ کر لیا تھا۔یہ ساری خبریں ایک ہفتے کے اندر مجھ تک پہونچی اور میں کافی وحشت ناک حالات سے آگاہ ہوا۔اس درمیان نہ میرے پاس طاقت تھی نہ قدرت، نہ لشکر تھا نہ مال اور جو چند فوجی کمانڈر اور کچھ شخصیات میرے ساتھ تھیں بھی تو ان کے اندر مجھے سستی اور ضعف کے علاوہ کچھ اور نظر ہی نہیں آرہا تھا۔ چونکہ حالات مکمل طور پر میرے خلاف تھے لہٰذا میں چاہتا تھا کہ کابل کے بادشاہ سے پناہ مانگ لوں لیکن پھر دیکھا کہ کابل کا بادشاہ کافر ہے۔ اُدھر میرا بھائی محمد امین مال و زر کے ذریعے اسکو خرید لے گا اور وہ مجھے امین کے حوالے کر دیگا۔اب مجھے اپنے گناہوں سے توبہ اور استغفار و توسل کے سوا کوئی راستہ نظر نہیں آرہا تھا۔لہٰذا میں نے سفید لباس پہنا، چار رکعت نماز ادا کی اور اس نماز میں جتنا قرآن مجھے حفظ تھا اس کی تلاوت کر کے خداوند عزّ وجلّ سے دعا کی اور اس کے ساتھ عہد و پیمان باندھا کہ اگر پروردگار ریاست وخلافت کو میری طرف پلٹا دے، میرے دشمنوں کو نابود کر دے اور ان خطرناک حالات کو میرے حق میں تبدیل کر دے تو خلافت کو اس کے حوالے کر دونگا جس کو خدا نے اس امر کیلئے مقرر فرمایا ہے۔اس کے بعد میں نے اپنے اندر ایک قسم کی قوت قلبی کا احساس کیا اور طاہر بن حسین (ذوالیمینین) کو علی بن عیسٰی بن ماہان کی طرف جانے پر تیار کیا۔اس کے بعد ہرثمہ بن اعین کو رافع بن لیث کی جانب روانہ کیا اور اس نے اس کو زیر کر دیا۔اس کے بعد میں نے اس کو صاحب السریر کا تختہ پلٹنے کیلئے روانہ کیا۔اس نے امان مانگی اور میں نے اس کو مال و دولت دیدی جس کے بعد صاحب السریر اُن شہروں کو چھوڑ کر چلا گیا۔ بہرحال میں مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا یہاں تک کہ اپنے بھائی امین کی جانب سے بھی آسودہ خاطر ہو گیا۔اب جبکہ خداوندمتعال نے مجھے اس قدر توانائی و قوت عطا فرمادی تھی اور میں نے حالات پر قابو پا لیا تھا تو

میرے لئے لازم تھا کہ جو عہد و پیمان میں نے خداوند عالم کے ساتھ باندھا تھا اس کو وفا کروں۔میری نظر میں مقام خلافت کیلئے ابوالحسن علی بن موسی الرضاؑ سے افضل دوسرا کوئی نہیں تھا جس کے سبب میں نے یہ حق ان تک پہونچا دیا لیکن حضرتؑ نے خلافت کو قبول نہیں کیا اور جو کچھ قبول کیا تم وہ جانتے ہی ہو۔''٦

مامون نے ۲۰۰ھ میں حکم دیا کہ فرزندان عباس یعنی بنی عباس کے مردوں،عورتوں،بچوں اور بزرگوں کی شمارش کی جائے۔ان افراد کی تعداد تیس ہزار تھی۔حضرت علی رضاؑ مرو میں مامون کے پاس تشریف لائے اور مامون نے حضرتؑ کو ایک عالیشان محل میں ٹھہرایا۔اس کے بعد مامون نے اپنے خصوصی مشیروں کو بلایااور کہا کہ میں نے اولاد عباس اور اولاد علیؑ کے درمیان بہت تلاش کیا لیکن امرخلافت کیلئے علی بن موسی الرضاؑ سے افضل کسی دوسرے کو نہیں پایا۔اس کے بعد اس نے ولی عہد کے عنوان سے امامؑ کے ہاتھ پر بیعت کی۔نیز امامؑ کے اسم مبارک کو سکۂ رائج الوقت دینار اور درہم پر بھی ڈھالا گیا اور اس نے اپنی دختر ام الفضل کو فرزند امام رضاؑ کے ساتھ منسوب بھی کر دیا۔

طاہر ذوالیمینین کی امام رضاؑ کے دست مبارک پر بیعت

بیہقی نے لکھا ہے:'' امام رضاؑ نے مدینے سے بصرے کے راستے کے درمیان بغداد میں ایک ہفتے کی مدت کیلئے طاہر بن حسین کے یہاں قیام فرمایا تھا۔طاہر نے احترام و ادب کے ساتھ مامون کا تحریر شدہ نامہ حضرتؑ کی خدمت میں پیش کردیااور کہا کہ میں پہلا شخص ہوں جو امیرالمومنین مامون کے حکم سے آپ کی بیعت کرونگا اور میرے بیعت کرتے ہی ایک لاکھ اسوار و پیادے بھی باہم آپ کی بیعت کریں گے۔حضرتؑ نے اپنے داہنے ہاتھ کو دراز کیا تا کہ طاہر آپؑ کے دست مبارک پر بیعت کر سکے لیکن طاہر نے اپنا بایاں ہاتھ آگے بڑھایا۔

حضرتؑ نے سوال کیا کہ یہ کیا ہے؟ طاہر نے کہا کہ میرا داہنا ہاتھ مامون کی بیعت کیلئے محفوظ ہے لیکن بایاں ہاتھ فارغ ہے اور اسی سبب سے میں نے بیعت کے لئے بایاں ہاتھ آگے بڑھایا ہے۔ امامؑ نے اسی کے اختیار کے مطابق اپنے ہاتھ کو آگے بڑھایا۔ احتمال یہ ہے کہ درصورت صحت، یہ واقعہ مرو میں ولایت عہدی کیلئے حضرتؑ کے رسمی طور پر منصوب ہونے سے قبل کا ہے اور اس زمانے کا ہے کہ ایک روایت کے مطابق جب حضرتؑ خراسان کے سفر کے دوران بغداد بھی تشریف لے

گئے تھے جہاں طاہر نے اپنے بائیں ہاتھ سے خلافت حضرت رضاؑ کی بیعت کی تھی نہ کہ آپؑ کی ولایت عہدی کی۔شاید یہ طاہر کی زیرکی، دوراندیشی اور سوجھ بوجھ ہی تھی کہ اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ انتصاب خلافت کے لئے حضرتؑ کو دعوت دینا درحقیقت مامون کی ایک چال ہے تاکہ اس طرح وہ اپنی فوج کے سردار طاہر کا امتحان لے سکے اور اس کی وفاداری کو آزما سکے۔ اسی لئے یہ دعوت نامہ بغداد کے راستے روانہ کیا گیا ہے۔طاہر انے اپنی زیرکی سے نہ صرف یہ کہ امر خلیفہ مامون کی اطاعت کی بلکہ خلیفہ کیلئے اپنی وفاداری کو بھی ثابت کر دیا۔

طاہر بن حسین بن مصعب پوشنگی ایک ایسے ایرانی خاندان سے تھا جو مسلمان ہو گیا تھا۔اس کے جد طلحہ بن عبداللہ خزاعی عباسیوں کیلئے اپنی خدمات کی بنا پر خراسان کے سرداروں میں سے تھے۔۱۹۵ھ میں امین سے جنگ کرنے کیلئے مامون نے طاہر بن حسین کو اپنی فوج کا کمانڈر منصوب کیا تھا۔طاہر چونکہ اپنے دونوں ہاتھوں سے ایک ماہر جنگجو کی طرح جنگ کرتا تھا اس لئے اس کا لقب ذوالیمینین پڑ گیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چونکہ طاہر نے اپنے بائیں ہاتھ سے امامؑ کی خلافت اور داہنے ہاتھ سے خلافت مامون کی بیعت کی تھی اس لئے اس کو طاہر ذوالیمینین کہا جانے لگا تھا۔ گردیزدی نے اپنی کتاب ''زین الاخبار'' میں طاہر کے لقب،ذوالیمینین کے متعلق لکھا ہے:

مامون نے جب طاہر کو علی بن عیسیٰ ماہان سے جنگ کرنے کیلئے روانہ کیا تھا تو فضل بن سہل نے طالع بینی کی تھی۔اس نے دیکھا کہ دو ستارۂ یمانی،ایک سہیل اور دوسرا شعری یمانی آسمان میں نظر آرہے ہیں۔اس لئے اس نے اس کو ذوالیمینین لقب دے دیا۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس لحظہ طاہر نے پرچم کو بلند کیا تھا تو اس وقت فضل بن سہل نے کہا تھا: ''اے طاہر!میں نے تمہیں وہ پرچم دیا ہے جس کو پینسٹھ سال تک کوئی اور نہیں اٹھائیگا اور اس وقت سے لیکر جب سے عیسی ماہان سے جنگ کرنے کیلئے طاہر مرو سے خارج ہوا تھا،طاہریوں کی آخری حکومت اور یعقوب لیث کے ہاتھوں محمد بن طاہر کی گرفتاری تک پینسٹھ برس ہی ہوتے ہیں''۔کہا جاتا ہے کہ طاہر بن حسین یک چشمی تھا جسکے لئے ایک عربی شاعر نے کہا ہے:

یا ذوالیمینین و عین واحده

نقصان عین و یمین زایده

راہ امام رضاؑ

(حجاز تا خراسان)

حضرت امام رضاؑ مکے سے خارج ہوکر راہ قدسیہ ہوتے ہوئے بصرہ پہونچے تھے اور وہاں سے کشتی کے ذریعے خرم شہر (محمرہ) اور پھر اہواز اور اہواز سے اصفہان ہوتے ہوئے یزد تشریف لے گئے تھے۔نیز دوسری روایات کے مطابق فارس وطبس ہوتے ہوئے وارد نیشا پور ہوئے تھے اور وہاں سے دہ سرخ (الحمراء) کے راستے سناباد تشریف لے گئے تھے۔وہاں باغ حمید بن قحطبہ میں استراحت فرمانے کے بعد سرخس کے راستے مرو کیلئے عازم سفر ہوگئے ۔امامؑ کے عراق سے خراسان تک کے سفر سے متعلق مختلف الاقسام روایات وارد ہوئی ہیں۔بعض افراد نے لکھا ہے چونکہ کوفہ وقم کے باشندے علوی اور خاندان آل علی کے دوستداروں میں سے تھے اس لئے ان سے خطرے کے اندیشے کی وجہ سے مامون نے حکم دیا تھا کہ حضرتؑ کے سفر میں یہ دونوں شہر شامل نہ ہوں۔بعض دوسرے افراد نے لکھا ہے کہ حضرتؑ اہواز ،اراک ،سمنان ہوتے ہوئے مرو تشریف لے گئے تھے لیکن روایات میں تمام تر اختلافات کے باوجود تمام مورخین امامؑ کے نیشا پور سے گزرنے پر بہرحال متفق ہیں۔۸

اہواز کے بعد امامؑ کی دوسری منزل دزپل یا دزفول تھی جہاں لوگ امامؑ کے کاروان اور مرکب کا استقبال کررہے تھے۔آج بھی اس علاقے میں دو جگہیں بنام شاہ خراسان اور امام رضاؑ دیمی موجود ہیں اور جہاں مزار بھی ہیں ۔ان دونوں مقامات کے اہالیوں کا ماننا ہے کہ امام رضاؑ یہاں تشریف لائے تھے اسی وجہ سے ان مقامات پر زیارت امام رضاؑ بھی پڑھتے ہیں۔☆

☆کہا جاتا ہے کہ مامون نے رجاء بن ابی ضحاک کو حکم دیا تھا کہ کاروان امام کو کوفہ،قم اور دوسرے تمام شیعی مراکز سے دور رکھتا ہوا لیکر آئے۔اسی وجہ سے حضرتؑ کی راہ سفر کو زیادہ تر فارس،کرمان ، طبس اورخراسان ہی سمجھا جاتا ہے لیکن حضرتؑ کا مشہور شہر نیشاپور جو کہ آپؑ کے مشتاقین اور محبین کو وجد میں لے آتا ہے، سے گزرنا مامون کے اس حکم کی تردید کرتا ہوا نظر آتا ہے جس میں اس نے کہا تھا کہ امامؑ کو مراکز شیعی سے دور رکھا جائے۔

آخر کار چشم و چراغ خاندان رسالت ،نبوت وولایت نے سرزمین خراسان پر قدم رکھا

بادا ہزار بار فزون تو را سلام حق

بر تو ابا غریب خراسان، امام حق

مشتاق حضرت تو ام اے سید شہید
حقا کہ ہستم از دل و از جان، غلام حق
سلامٌ علیٰ آل طٰہٰ و یاسین
سلامٌ علیٰ آل خیرالنبیین
سلامٌ علیٰ روضۃ حل فیہا
امام یباہی بہ الملک والدین
امام بحق شاہ مطلق کہ آمد
حریم درش قبلہ گاہ سلاطین
علی بن موسی الرضا کز خدایش
رضا شد لقب چون رضا بود ش آئین
اگر خواہی آری بہ کف دامن او
برو دامن از آنچہ جز اوست بر چین

امام رضاؑ نے دہ سرخ سے طوس کی جانب عبور فرماتے ہوئے مشہور پہاڑ کوہسنگی مشہد سے ٹیک لگا کر دعا کی تھی۔ شیخ صدوق "عیون اخبار الرضاؑ" میں لکھتے ہیں: "حضرت رضاؑ جیسے ہی سناباد کے آس پاس کے علاقے میں تشریف لائے تو آپ نے اس پہاڑ سے ٹیک لگائی جس سے دیگ سنگی تراشی جاتی تھی اور فرمایا: پروردگارا! اس پہاڑ کو بابرکت بنادے، یہاں کے باشندوں کیلئے نافع قرار دے، اس طعام میں برکت نازل فرما جو اس پہاڑ سے تراشے جاتے ہیں اور اس کے بعد آپ نے ان برتنوں میں غذا آمادہ کرنے کا حکم دیا۔"[۸]

مشہور ومعروف حدیث سلسلۃ الذہب

مورخین نے امام رضاؑ کے نیشاپور میں ورود کو بڑا پرشکوہ نقل کیا ہے۔ آہستہ۔آہستہ سماج کے مختلف طبقے امامؑ کی آمد سے آگاہ ہوتے جا رہے تھے اور وقت کو غنیمت سمجھتے ہوئے وارث پیغمبرؐ، مظہر علم وتقوی اور اپنے امامؑ کے استقبال کیلئے جوق در جوق دور۔ دور سے چلے آرہے تھے۔ آخر کار وہ وقت بھی آیا جب امامؑ اپنے پر وقار اور متین چہرے اور سادہ لباس زیب تن کیے ہوئے عوام کے

درمیان تشریف لائے اور امامؑ کے تشریف لاتے ہی آہ و بکا و گریہ و زاری کا شور چہار جانب بلند ہوگیا جس کی صدائیں آسمان کو چھو رہی تھیں۔

دو مشہور و بزرگ حافظ قرآن بنام ابو ذرعہ رازی اور محمد بن اسلم طوسی ان لا تعداد طلاب وتشنگان علم کے ساتھ آئے ہوئے تھے جن کے ہاتھوں میں قلم۔ دواتیں موجود تھیں اور منتظر تھے کہ امامؑ جو کچھ فرمائیں اسے محفوظ کرلیں۔لوگوں کو خاموش کرانے کیلئے با صدائے بلند انہیں ساکت ہو جانے کیلئے کہا جانے لگا کہ خاموش ہوجاؤ تاکہ امامؑ اپنی زبان مبارک سے کچھ فرماسکیں۔سب کے سب خاموش ہو گئے۔امامؑ نے اپنا سر عماری سے باہر نکالا اور جب سب نے آپ کے چہرۂ اقدس کی زیارت کر لی تو آپ نے مشہور حدیث سلسلۃ الذہب کو بیان فرمایا:

برقع از روی بر انداز کہ خلق جہاں
بہ یکی روز دو خورشید ببینند عیاں

حضرتؑ نہایت پر وقار،متین ونورانی انداز میں جبکہ آپؑ کے گیسو رسول خداؐ کے گیسوؤں کے مانند تھے اور آپ کے چہرہ اقدس پرنقاب تھی،لوگوں پرظاہر ہوئے۔لوگ آپؑ کے چہرہ اقدس کی ایک جھلک پانے کیلئے بیتاب تھے۔آپؑ کے چہرے پر نظر پڑتے ہی سب ہی آنکھوں سے گریہ شوق جاری ہوگیا،شور اس قدر تھا کہ نیشاپور کے کونے کونے سے آوازیں آرہی تھیں۔امامؑ کی آواز سنکر جب لوگ کسی قدر خاموش ہوئے تو حضرتؑ نے باصدائے بلند ومتین حدیث شریف تہلیل کو بیان فرمایا:

حدثنی ابی موسی بن جعفرالکاظمؑ، قال حدثنی ابی محمد علی الباقرؑ، قال حدثنی ابی علی بن الحسین زین العابدینؑ ، قال حدثنی ابی حسین بن شهید ارض کربلاؑ، قال حدثنی ابی امیر المومنین علی بن ابی طالب شهید ارض کوفهؑ، قال حدثنی ابی اخی و ابن عمی محمّد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و آله ،قال حدثنی جبرئیل،قال سمعت ربّ العزّة سبحانه و تعالی یقول:کلمة یقول ”لا اله الاّ اللّٰه“حصنی فمن قالها ومن دخل حصنی امن من عذابی۔“

حضرت رضاؑ نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد بزرگوار امام موسی کاظمؑ سے سنا ہے کہ آپؑ نے فرمایا تھا کہ میں نے اپنے والد بزرگوار امام جعفر صادقؑ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا تھا کہ میں نے

اپنے والد بزرگوار امام محمد باقرؑ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا تھا کہ میں نے اپنے والد بزرگوار امام زین العابدینؑ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا تھا کہ میں نے اپنے والد شہید کربلا امام حسینؑ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا تھا کہ میں نے اپنے والد بزرگوار شہید کوفہ امام علی ابن ابی طالبؑ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا تھا کہ میں نے اپنے بھائی اور ابن عم محمد رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا تھا کہ جبرئیل نے مجھ سے کہا کہ حضرت رب العزت نے فرمایا ہے کہ کلمہٗ لا الہ الاّ اللّٰہ میرا قلعہ ہے۔پس جو بھی اس کلمے کو کہے گا اور اپنی گفتار و کردار، اپنے عقیدے، ایمان اور عمل صالح کے ساتھ اس قلعے میں داخل ہوگا وہ میرے عذاب سے امان پا جائیگا۔[۱۰]

اس حدیث شریف کو بیان کرنے کے بعد جیسے ہی قافلے نے آگے بڑھنا چاہاتو امامؑ نے ایک بار پھر اپنا سر محمل سے باہر نکالا اور دوبارہ سب کو اپنی جانب متوجہ کرنا چاہا۔گویا امامؑ مزید کچھ فرمانا چاہتے تھے۔امامؑ نے اضافہ فرمایا:"ولکن بشرطھا و شروطھا" اسکے بعد اپنی طرف اشارہ کرکے فرمایا:"و عنه من شروطها"

امامؑ نے اس حدیث توحید کو پند و موعظہ کے عنوان سے بیان نہیں فرمایا تھا وہ بھی اس موقع پر جب حکام کسی بھی پند و موعظہ سے اپنے شخصی،سیاسی یا اجتماعی مقاصد کیلئے استفادہ یا سوئے استفادہ کرتے تھے بلکہ امامؑ نے اس حدیث کو بیان کرکے دو نکات کو واضح فرمایا تھا۔

پہلے شعار اولیہ رسالت یعنی "قولوا لا الہ الاّ اللّٰہ تفلحوا" اور دوسرے پیام امامت یعنی "بشرطھا و شروطھا" کہ جسکے ذریعے خود اپنی طرف اشارہ فرمایا تھا یعنی مسئلہ امامت و پیشوائی جامعہ کہ جو حضرتؑ کی بنیادی ترین ذمہ داری تھی کیونکہ اس وقت اسلامی سماج پوری طرح فرقہ بازی، انحرافات اور گروپ بازی کا شکار ہو گیا تھا ، انحرافی مکاتب فکر عوام کے اذہان پر چھا گئے تھے،ہر چند روز کے بعد کوئی نہ کوئی لوگوں کو گمراہی اور انحرافات کی جانب دعوت دینے لگتا تھا اور مختلف اسلامی فرقے جیسے اسماعیلیہ، زیدیہ، معتزلہ، کیسانیہ، جارودیہ، راوندیہ،مقنعیہ ،خرم دینیہ،خوارج اور قدریہ وغیرہ ایک کے بعد ایک پیدا ہوتے جا رہے تھے... ان حالات میں امامت حضرت رضاؑ پر کامل ایمان و عقیدہ ہی اُن گمراہ اور فرقہ پرست افراد کو نجات بخش سکتا تھا کیونکہ امام موسی کاظمؑ کے بعد مکتب تشیع مزید کسی فکری انشعاب یا جدید فرقہ سے دوچار نہیں ہوا تھا اور زیادہ تر اسلامی فرقے امام رضاؑ کی امامت سے قبل وجود میں آئے تھے۔ چونکہ اس حدیث میں امام رضاؑ سے ذات باری تعالی جلّ جلالہٗ

تک کا سلسلہ بغیر کسی انقطاع اور تسبیح کے دانوں کی طرح ہے اور اسکی سند مکمل طور پر محفوظ ہے نیز اس میں ذرہ برابر بھی تحریف نہیں ہوئی ہے اس لئے اس حدیث کو حدیث جلیل سلسلۃ الذہب یا حدیث زنجیر طلائی یا حدیث رشتہ زرین وغیرہ بھی کہا جاتا ہے۔

مفسرین احادیث نے کلمہ طیبہ توحید کو نہ صرف زبان سے کہنے بلکہ اخلاص و ایمان کے ساتھ اس پر عمل کرنے کو شرک و شیطان کے خلاف زبردست قلعہ بتایا ہے کیونکہ توحید و شرک ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔انسان شرک وشیطان سے جس قدر دور ہوتا جائے گا اتنا ہی ذات خداوند عالم سے قریب ہوتا جائیگا۔ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ انسان بندۂ مال ودولت اورطاقت بھی ہو اور بندہ خدا بھی ہو۔ ایسا شخص جوظلم کرتا ہو، چاپلوسی کرتا ہو،دوسروں کے حقوق غصب کرلیتا ہو،دوسروں کے امور میں مسائل پیدا کرتا ہو،لوگوں کے درمیان اختلافات ایجاد کرتا ہو،دروغ گوئی سے کام لیتا ہو،غیبت کرتا ہو،تکبر کرتا ہو،کبھی کسی بھی بات کو آنکھ بند کرکے قبول کرلیتا ہو،جسکے دو چہرے ہوں یعنی منافقت کرتا ہو، امانت میں خیانت کرتا ہو،اپنے ہی قول سے مکر جاتا ہو،اپنے عہد و پیمان کو وفا نہ کرتا ہو،دوسروں کا مال چھین لیتا ہو،گرانفروشی کرتا ہو اور سکوں کا غلام ہو،عدل و انصاف پر عمل نہ کرتا ہو، قانون شکنی کرتا ہو،فرقہ پرستی وگروپ بازی کرتا ہو ،غور وفکر نہ کرتا ہوتا کہ حق کو باطل سے جدا کر سکے،شیطانی افکار و امور پر عمل کرتا ہو وغیرہ وغیرہ، ایسا شخص حقیقتاً شیطان پر ایمان رکھتا ہے اور خدا پر اسکا کوئی ایمان نہیں ہے۔اس شخص کا کام اپنی زبان سے صرف کلمہ طیبہ توحید کو جاری کر لینا ہے اور بس۔

حدیث سلسلۃ الذہب ”لا الہ الاّ اللّٰہ حصنی فمن دخل حصنی امن من عذابی“ کی تفسیر میں بعض افراد اور مفسرین سطحی فکر سے دوچار ہوگئے ہیں جس کی وجہ سے انہوں نے یہ نتیجہ لیا ہے کہ اس حدیث سے مراد کلمہ طیبہٗ ”لا الہ الاّ اللّٰہ“ کوفقط زبان سے ادا کرنا ہے اور یہی شرک،کفر و الحاد اور اسلام کے درمیان سرحد ہے جسکے بعد عبارت ”محمدٌ رسول اللّٰہ“ آئیگی۔

اقوال امام رضاؑ

معمر بن خلاد نے روایت کی ہے:” سمعت ابا الحسن الرّضا علیہ السلام یقول:لیس العبادۃ کثرۃ الصّلوٰۃ و الصّوم،انّما العبادۃ التّفکر فی امر اللّٰہ عزّ و جلّ۔“یعنی عبادت و بندگی خدائے متعال، کثرت نماز و روزہ میں نہیں ہے بلکہ امر خداوند متعال میں تفکر اور غور وفکر کرنا عبادت ہے۔

قرآن کریم ،احادیث نبوی اور فرمودات ائمہ معصومینؑ میں مذکورہ کلام کی نظیر کثرت سے نظر آتی ہے۔رسولؐ اسلام نے فرمایا ہے:''تفکّر ساعة خير من عبادة ستّين سنة۔'' اا

قَبران فی طوس خير الناس كلّهم
و قبر شرّهم هذا من العبر
ما يُنفع الرّجس من قرب الزّكی و ما
علی الزّكی يُقرب الرجس من ضرر

در طوس دو قبر ہست قبر بہترین مردم
و قبر بدترین مردم و این عبرتی است
نا پاک از جوار پاک سودی نمی برد
و پاک از جوار ناپاک زیانی نمی بیند

(مذکورہ اشعار ایک پتھر پر کتبیہ کی صورت میں قبرامام رضاؑ کے سرہانے والے حصے میں نصب ہیں۔)

کردار و گفتار اورعمل میں یکسانیت ہونا نہایت ضروری ہے یعنی اگر ہم کردار وگفتار اور راہ امام پرعمل کریں تو ہمیں سعادت وخوشبختی حاصل ہوجائیگی لیکن اگر ہمارا اخلاق وکردار ہماری گفتار سے جدا ہوا تو حقیقتاً ہم راہ ہارون رشید کے پیرو ہونگے۔''لنا اعمالنا و لكم اعمالكم'' ۱۲۔ لہٰذا ہر شخص اپنے اعما ل کا ذمہ دار ہے،دوسرے کسی بھی شخص کے اعمال سے نہ اسکو کوئی فائدہ حاصل ہوگا نہ کوئی ضرر۔

حسن بن علی وشّاء بغدادی سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں:''میں خراسان میں امام علی رضاؑ کی خدمت میں حاضر تھا۔امام علی رضاؑ کے بھائی اما م زادہ زید بن موسی بھی موجو د تھے۔اتفاقاً ایک گروہ اس مجلس میں وارد ہوا۔زید نے فخریہ انداز میں کہا کہ ہم ایسے ہیں ،ہم ویسے ہیں۔امام علی رضاؑ جو اس گروہ سے محو گفتگو تھے جب آپؑ نے زید کی گفتگو سنی تو انکی طرف رخ کیا اور فرمایا کہ اے زید! کیا نقالان کوفہ کی گفتگو نے تمہیں مغرور بنا دیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ'' خدا نے ذریت فاطمہؑ پر آتش جہنم کوحرام کردیا ہے''۔قسم بخدا! حسن وحسین علیہم السلام اور آنحضرتؐ کے فرزندان شکمی کے علاوہ اس ذیل میں دوسرا کوئی نہیں آتا ہے۔اس کے بعد حضرتؑ نے مجھ سے کہا کہ اے وشّاء!اس

آیت کی قرائت کرو" یا نوح انّہ لیس من اھلک انّہ عمل غیر صالح۔" پس جب امام علی رضاؑ نے اپنے بھائی سے فرمایا کہ قسم بخدا! کوئی بھی اطاعت خداوندی کے بغیر نیک اجر کا حقدار نہیں بن سکتا اور تم سمجھتے ہو کہ معصیت کے بعد بھی اجر آخرت پا جاؤ گے! تو زید نے عرض کی کہ میں تو آپ کا بھائی اور آپکے والد بزرگوار کا فرزند ہوں۔امامؑ نے فرمایا کہ اگر اطاعت خدا کرو گے تو میرے بھائی ہوگے۔ ۱۳؎

حق تعالی فرماتا ہے کہ جب صور پھونکا جائیگا تو نسب درمیان سے ہٹ جائیں گے یعنی کوئی رشتے دار اپنے کسی رشتے دار پر رحم نہیں کریگا۔پس ایمان و اعمال صالحہ کے ذریعے جس جس کا اعمالنامہ سنگین ہوگا وہی افراد آتش جہنم سے نجات یافتہ اور وارد جنت ہونگے اور جس جس کا بھی اعمالنامہ عمل صالح نہ ہونے کے سبب سبک ہوگا وہ گروہ دوزخی ہوگا۔لہٰذا قیامت میں حسب ونسب کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی۔قیامت میں اگر کوئی شئ قابل قدر ہے تو وہ عمل ہے۔وہاں کوئی کسی سے سوال نہیں کریگا کہ تمہارا حسب کیا ہے، تمہارا نسب کیا ہے اور کہاں دفن ہوئے تھے۔"انّ اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم" ۱۴؎

"تفسیر المیزان" میں ہے کہ جب آیۂ وانذرعشیرتک الاقربین" نازل ہوئی تو رسولؐ اسلام نے قریش کو دعوت دی اور فرمایا کہ اے گروہ قریش! خود کو آتش جہنم سے نجات دو کیونکہ میں تمہارے نفع و ضرر کا ذمہ دار نہیں ہوں۔اے کعب بن لوی،قصی، عبد المناف اور عبد المطلب کی اولا دو! خود کو آتش دوزخ سے نجات دو کیونکہ میں تمہارے نفع وضرر کا ذمہ دار نہیں ہوں اور تم اے فاطمہؑ،اے محمدؐ کی بیٹی! تم بھی خود کو اس آتش سے نجات دو کیونکہ میں تمہارے نفع وضرر کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ ۱۵؎

مرو میں امام علی رضاؑ کا ورود

آخر کار کاروان امامؑ اس وقت کی عظیم اسلامی مملکت کے دارالحکومت مرو پہونچ گیا۔ مامون،اسکا وزیر فضل بن سہل اور بنی عباس وعلویان کی شخصیتوں کے متعدد گروہ امامؑ کے استقبال کیلئے مرو سے باہر کئی فرسنگ تک آئے تھے۔چند روز آرام و استراحت کرنے کے بعد مذاکرات کا آغاز ہوگیا۔ مامون نے خلافت کو امامؑ کی خدمت میں پیش کرنے کی تجویز پیش کی لیکن امامؑ مسترد ہی

کرتے رہے اور خلافت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔جس کی بنا پر بہت سے حضار اور دوسری شخصیات حتیٰ فضل بن سہل جیسے افراد بھی حیران تھے۔

مورخین نے مامون کے اس فیصلے کی وجوہات اولیہ پر روشنی ڈالتے ہوئے اس طرح لکھا ہے: مامون نے ۲۰۰ھ میں تیس ہزار سے زائد عباسیوں کو دعوت دی اور ان سے کہا کہ میں نے آل عباس اور آل علی کے درمیان بہت تلاش کیا لیکن مجھے ان میں کوئی ایک شخص بھی علی بن موسی الرضاؑ سے افضل، باتقویٰ اور خلافت کیلئے مناسب نظر نہیں آیا۔

بعض کتابوں میں حوالوں کا ذکر کیے بغیر مرو میں امامؑ کے ورود کو دہم شوال ۲۰۱ھ بتایا گیا ہے۔لیکن یہ زمانہ دوسری تمام تواریخ جن میں امام علی رضاؑ کے انتصاب ولایت عہدی کو رمضان ۲۰۱ھ بیان کیا گیا ہے، سے متضاد ہے کیونکہ اگر امامؑ اوائل ۲۰۱ھ میں مراسم حج اور ایک احتمال کے مطابق خانہ کعبہ کی زیارت کے بعد دوبارہ مدینے واپس تشریف لے گئے ہوں اور اسکے بعد عازم خراسان ہوئے ہوں، جبکہ قبول خلافت پھر ولی عہدی کیلئے امامؑ اور مامون کے درمیان دو ماہ پر مشتمل مذاکرات بھی ہوئے تھے،تو مرو میں امامؑ کے قافلے کو احتمالاً اسی سال اواخر ماہ جمادی الثانی یا اوائل ماہ رجب میں پہونچنا چاہئے تھا۔[16]

حوالے:

۱۔زندگانی حضرت علی ابن موسیٰ الرضاؑ، ۱۱۴۔۱۰۷۔

۲۔مفید: الارشاد، ج ۲ر،ص ۲۴۶۔

اربلی: کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ، ج ۳ر،ص ۱۴۸

۳۔اصفہانی: مقاتل الطالبین، ص ۵۲۴۔مفید: الارشاد، ج ۲ر ص ۲۵۲۔

۴۔حسینی، جعفر مرتضیٰ: زندگانی سیاسی ہشتمین امام، ترجمہ دکتر سید خلیلیان۔نشر فرہنگ اسلامی تہران: ۱۳۶۵ ص ۱۳۲

۵۔ابن اثیر، عزالدین علی: تاریخ الکامل، ترجمہ ابو القاسم حالت۔مطبوعاتی علمی تہران ۱۳۵۲ھ، ج ۱۰ر،ص ۲۶۳ مسعودی، ابوالحسن: مروج الذہب، ترجمہ ابوالقاسم پایندہ۔بنگاہ ترجمہ ونشر کتاب تہران، ۱۳۶۰۔حسینی: زندگی سیاسی ہشتمین امام،ص ۱۵۱۔

۶۔احمد یوسف عبد القادر: زندگانی علی ابن موسیٰ الرضاؑ، ترجمہ غلام رضا ریاضی۔ کتابفروشی زوار مشہد، ص ۸۶۔ص ۸۳

۷۔سحاب: زندگانی حضرت علی بن موسیٰ الرضاؑ، ص ۲۶۰، ۹۳۔

۸۔حسینی: زندگانی سیاسی ہشتمین امامؑ، ص ۱۹۲،ص ۱۸۰۔اربلی: کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ۔

۹۔ابن بابویہ: عیون اخبار الرضاؑ، ج/ ۲،ص۶۷ ۳۔

مجلسی: بحار الانوار، ج ۱۲،ص ۱۱۳۔عرفان منش: جغرافیائی تاریخ ہجرت امام رضاؑ ص ۱۴۰۔

۱۰۔عطاردی، عزیز اللہ: راویان امام رضاؑ درمسند الرضا۔ کنگرہ جہانی حضرت رضاؑ۔ ۱۳۶۷۔

کمپانی، فضل اللہ: حضرت رضا۔ انتشارات مفید، تہران ۱۳۶۵۔ص ۹۵۔ ۹۴۔

۱۱۔ورام بن ابی فراس، ابوالحسن: مجموعہ ورام، ترجمہ محمد رضا عطائی ما انتشارات آستان قدس ۱۳۶۹۔

۱۲۔سورۂ شوریٰ، آیت ۱۵

۱۳۔ابن بابویہ: عیون اخبار الرضا، ص ۴۸۷۔۴۸۱

۱۴۔سورۂ حجرات، آیت ۱۳۔

۱۵۔طباطبائی: تفسیر المیزان، ج/ ۱۵۔ص ۵۱۲۔۵۱۱

۱۶۔غفوری: سرگذشت ہشتمین امامؑ، ص ۲۶۔

مسعوی: مروج الذہب، ص ۴۴۱۔